ڈاکٹر محمد افضل صفی
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، گورنمنٹ گریجویٹ کالج، کرور لعل عیسن

ڈاکٹر خیال امروہوی کی شاعری کا جمالیاتی طرزِ احساس

Abstracts

Aesthetic Sense of Dr. Khyal Amrohvi's Poetry

By Dr. Muhammad Afzal Safi, Asst. Prof. Urdu, Govt. Graduate College, Karor Lal Esion.

Dr. Khyal Amrohvi (1930-2009) is the prominent name among the poets and the writers who came to the public in 1950's. He was associated with the progressive movement (Taraqqi-Pasand Tehreek).He actively participated in the promotion of the revolutionary ideas of Karl Marx and Lenin. He saw the changing social structure through the lens of Karl Marx. He always opposed the class differences in the society. He always supported the ideology of Art for the sake of Life in poetic or prosaic literature. The result of this was that the same ideas became his strong reference. His aesthetic sense was buried somewhere under his heavy ideas. Today, he is known and understood as a progressive and revolutionary poet, while the aesthetic style of his poetry has its own special existence. Love and separation, emigration and separation, love for beauty, love-lessness of the beloved, pangs of separation are such romantic and aesthetic qualities that are an asset of his poetry. Although in comparison to his whole literary work, it is equal to drop in ocean.

However, its existence cannot be denied. In his poetry, this topic has been discussed with the help of literary terms such as similes, metaphors and symbols. Khyal

Amrohavi had anignite of love in his heart .He seems to have lively & vibrating sensibility in literature.

Although his heart feels deep love for the labourers and the working class yet these emotions are deeply rooted with his feelings of love affection for humanity. There were also love stories which should not be ignored at all. In short, having a final opinion about any literary figure, one should explore his whole literary work and all his aesthetic corners should be taken into consideration. Most of his critics and researchers ignored this aspect of his writings. The main purpose of my article is to bring forward the aesthetic sense of Dr. Khyal Amrohavi. The injustice done to him must be compensated through right prestige to him.

Keywords: Khyal Amrohvi, progressiveness, modern way of feeling, similes and metaphors, aesthetics, beloved, love, beauty and love, hijr and wasal.

کلیدی الفاظ: خیال امروہوی، ترقی پسند تحریک، جدید حسّیت، تشبیہ و استعارہ، جمالیات، محبت، ہجر و وصال، کارل مارکس، لینن

ڈاکٹر خیال امروہوی ۱۹۵۰ء کے آس پاس منظر عام پر آنے والے شعرا و ادبا میں اہم ترین نام ہے۔ ان کا بنیادی تعلق ترقی پسند تحریک سے ہے۔ انھوں نے کارل مارکس اور لینن کے نظریات کی ترویج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ پوری زندگی جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف علم بغاوت بلند کیے رکھا۔ وہ اپنے عہد کے سیاسی، سماجی اور معاشرتی مسائل ور جحانات کا بخوبی ادراک رکھتے تھے۔ وہ روایتی موضوعات کے برعکس دورِ جدید میں رونما ہونے والے سماجی رویوں کو زیرِ بحث لاتے۔ وہ بدلتے ہوئے سماجی ڈھانچے کو معاشیات کے آئینے میں دیکھتے۔ ان کے یہی نظریات ان کا تعارف بن گئے جس کے نتیجے میں ان کا جمالیاتی طرزِ احساس ان کے افکار و نظریات کے نیچے دب کر رہ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مقام پر ڈاکٹر خیال امروہوی کی شخصیت ترقی پسند اور مارکسسٹ نظریات کے پرچارک کے طور پر زیرِ بحث رہی ہے۔ میرے نزدیک اس کی دو وجوہات ہیں ایک تو خود ڈاکٹر خیال امروہوی مختلف مواقع پر حسن و جمال پر مبنی شاعری سے پہلو تہی کرتے رہے ہیں۔ دوسرا ان کے ناقدین اور محققین نے بھی اس طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دلائی۔ جمال پسندی (Aesthetic) فلسفے کی ایک اصطلاح ہے جس کا بنیادی مقصد حسن کی تلاش ہے۔ وہ حسنِ فطرت ہو یا حسنِ کائنات، فن کا حسن ہو یا حسن محبوب جمال پسندی کے زمرے ہی میں آتا ہے۔

خیال امروہوی کی شاعری میں جہاں سماجی، طبقاتی، معاشی اور معاشرتی مسائل کا ذکر ہے وہاں حسن و عشق پر مبنی

واردات قلبی کا بیان بھی موجود ہے۔ گویا یہ موضوع اُن کے شعری سرمائے میں آٹے میں نمک کے برابر ہی سہی لیکن اس طرزِ احساس سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔ ان کی شاعری میں ماضی کی یادیں بھی ہیں اور مستقبل کے خواب بھی، ہجر وفراق کی لذتیں بھی ہیں اور وصال کا تذبذب بھی۔ خیال امروہوی نے محبوب کا سراپا مختلف تشبیہات کی مدد سے یوں پیش کیا ہے:

پھر آرہا ہے سیم تنی کا تری خیال　　ڈوبا ہوا ہوں دیر سے چاندی کی نہر میں(۱)

کل رات ایک غنچہ دہن مل گیا خیال　　سونگھا تو خواب ناک اثر میں شراب تھا(۲)

ملے ہیں ایسے بھی شیشہ بدن زمانے میں　　نمِ سحر بھی جنھیں مس کرے تو زنگ آئے(۳)

طلسمِ ہوش رُبا عارضِ کتابی تھا　　غزالِ جسم کا معیار آفتابی تھا(۴)

سیم تن، غنچہ دہن، شیشہ بدن، کتابی عارض ایسی تشبیہات کو تخلیقی سطح پر نہایت قرینے سے برتا گیا ہے۔ درج بالا تشبیہات کی دو خصوصیات قابلِ ذکر ہیں۔ ایک تو یہ کہ مذکورہ مثالیں تشبیہ موکد کے زمرے میں آتی ہیں جن میں حرفِ تشبیہ حذف کیا گیا ہے۔ دوسرا یہ کہ ان کی طرفین تشبیہ حسی بہ متعلق باصرہ ہیں۔ ان کے علاوہ بھی خیال امروہوی کی شاعری میں تشبیہات کی نادر صورتیں موجود ہیں۔

خیال امروہوی کی شاعری میں مشرقی اقدار کی پاس داری بھی ملتی ہے۔ ان کا محبوب سراپا حسن ہے۔ مجسم خوش بو ہے۔ اس کے تصور سے ذہن میں چمن کھل جاتا ہے۔ اس کے تذکرے سے زبان پر سخن جاری ہونے لگتا ہے۔ اس کے دہکتے ہوئے رخسار سوزشِ قلب کا باعث ہوتے ہیں۔ محبوب کی جملہ خوبیوں کے باوجود خیال کی مشرقیت آڑے آتی ہے اور وہ محبوب سے ہم کلام نہیں ہو پاتے جس کا قلق انھیں عمر بھر رہتا ہے۔

وہ جمالِ زہرہ وش تھا، وہ شبابِ سیم تن تھا
وہ سبھی تھا پھر بھی اُسے سے میں کلام کر نہ پایا(۵)

ان کا محبوب صندلیں اندام خوشبو کا پیکر ہے۔ اس کی مشرقی صفات اسے کم آمیز ہونے پر مجبور کرتی ہیں جس کا شاعر کو دکھ بھی ہے۔ وہ صندل کے جنگلوں سے آئی ہوئی ہوا میں محبوب کی خوش بو محسوس کر لیتے ہیں۔ حسنِ تعلیل سے کام لیتے ہوئے ہوا کی خوش بو کا سبب محبوب کا لمس قرار دیتے ہیں۔ وہ محبوب کے صندلیں ہونٹوں سے گھونٹ گھونٹ شرابِ حسن کشید کرنے کے خواہاں ہیں۔ انھیں دریا کی روانی میں بھی محبوب کا حسن نظر آتا ہے۔ انھیں محبوب کے حبابِ

حسن میں دریا کی ناچتی روح دکھائی دیتی ہے۔ درج بالا کیفیات میں سے چند کی مثالیں دیکھیے:

یوں تو سب صندلیں انداز دل آویز ملے　　　قرب چاہا تو کئی ان میں کم آمیز ملے(۶)

صندل کے جنگلوں کی مسافر ہے جو ہوا　　　وہ میری اصطلاح میں خوش بُوئے یار ہے(۷)

چلو کہ صندلیں ہونٹوں سے گھونٹ گھونٹ پییں　　　لطیف شغل ہے درکار شام ہونے تک(۸)

خیال امروہوی کی شاعری عہدِ وصال کی منفرد کیفیات سے مالا مال ہے۔ ان کی شاعری میں وصالِ یار کے لمحے سرخوشی کی بجائے تحیر اور تذبذب کی کیفیت ساتھ لاتے ہیں۔ وہ محبوب سے شوقِ تکلم پر آمادہ رہتے ہیں لیکن ان کی آنکھ کو محبوب کی طرف سے اذنِ اظہار نصیب نہیں ہوتا۔ وہ لمحۂ قربت کو موئے آتش دیدہ قرار دیتے ہیں۔ ان کی آنکھ محبوب کے سراپے کا طواف کرتی رہتی ہے اور بدن کا غلاف تحیر کی آگ میں جلتا رہتا ہے۔ لمحۂ وصال میں محبوب کی مست نگاہی انھیں شراب سے سوا بے خودی کی کیفیات میں ڈبو دیتی ہے۔ ان کی شاعری میں سپردگی کی کیفیات بھی اپنا خاص مزاج رکھتی ہیں۔ وہ ایک سچے عاشق کی طرح محبوب کے جنبشِ ابرو کے ایک اشارے پر خود کو بے بس پاتے ہیں۔

میں تو آمادہ ہوں پر شوقِ تکلم کے لیے　　　منتظر آنکھ ہے، کب اُس کا دہن کھلتا ہے(۹)

مصروف میری آنکھ تھی اُس کے طواف میں　　　اور آگ لگ رہی تھی بدن کے غلاف میں(۱۰)

جانے کیوں جنبشِ ابرو پہ بچھی جاتی ہے　　　وہ طبیعت جو اشارے کی روادار نہ تھی(۱۱)

عشقیہ واردات میں وہ محبوب کے ظلم وستم سے نالاں نظر آتے ہیں۔ اُردو غزل کی روایت میں عاشق ہمیشہ محبوب کے ظلم وستم اور بے رخی کا شکار رہا ہے۔ خیال امروہوی بھی ایسی ہی قلبی واردات سے گزرے ہیں۔ ان کی نگاہِ عشق میں ہر سماج کے حسین بیگانہ چشم ہوتے ہیں وہ اپنے اپنے عشاق کو طرح طرح کی قلبی اذیتوں میں مبتلا رکھتے ہیں۔ وہ میرؔ کی طرح یہ تو نہیں کہتے:

دور بیٹھا غبارِ میرؔ اُس سے
عشق بِن یہ ادب نہیں آتا

اس کے برعکس وہ تو محبوب سے ہم آغوش ہونا چاہتے ہیں۔ محبوب دکھائی تو دیتا ہے لیکن ملنے کے مواقع کم عطا کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ محبوب کی بے رخی اور عیاری پر بھی نوحہ کناں نظر آتے ہیں۔

بہت ہی خاص ہیں اوقات اُس کے ملنے کے　　　وہ خوش جمال جو اکثر دکھائی دیتا ہے(۱۲)

ظالم کی مشقِ قتل کا اعجاز دیکھنا		دامن بھی بے نشان ہے خنجر بھی بے لہو(۱۳)

وہ شخص جو ظاہر میں مسیحا سا لگے ہے		عیاریِ اظہار کا پیکر اُسے سمجھیں(۱۴)

ڈاکٹر خیال امروہوی کے یہاں جدائی کی کسک اور انتظار کی ہلکی سی اذیت بھی محسوس ہوتی ہے۔ جدائی اور انتظار کے امتزاج سے پیدا ہونے والی کیفیت ایسے پیڑ کے مانند ہے جس کی شاخوں پر امید کے پرندے درد کے نغمے گاتے اور چہچہاتے ہیں لیکن ان کی چہچہاہٹ ماحول کو افسردہ نہیں ہونے دیتی۔ بعض اوقات اُن کے زمزمے اداس تو ضرور کر دیتے ہیں مگر یہ اداسی دیر پا نہیں ہوتی۔ کوئی امید، کوئی آس، کوئی امنگ طبیعت کو سرشار رکھتی ہے۔ ایسی ہی کیفیات ملاحظہ فرمایئے:

جلا کے خاک نہ کر دے کہیں شرار ترا		سکونِ دل کی ہلاکت ہے انتظار ترا(۱۵)

جز معذرت وہ کچھ نہ لکھے گا جواب میں		بے فائدہ ہے مرسلہ، قاصد کا انتظار(۱۶)

مناسبت کی نظر سے صبا کو ساتھ لیا		حضورِ حسن میں جانا کسے میسر تھا(۱۷)

خیال امروہوی کا عشق: ''معشوق شوخ عاشق دیوانہ چاہیے'' کے مصداق پیہم تر و تازہ اور ہر دم جوان ہے۔ ''خیال کا کمال یہ ہے کہ جمال آتشِ ناک سے ان کا شعور جل کر خاک نہیں ہوتا وہ ذہنی طور پر غیر متحرک (Passive) نہیں ہوتے بلکہ ان کا شعور سیاسی و سماجی طور پر زندہ اور توانا ہے۔''(۱۸)

اُن کے عشق میں کچھ خواب ہیں، کچھ حسرتیں، کچھ کر گزرنے کی خواہشیں ہیں۔ یہ خواب جب پورے نہیں ہوتے یہ خواہشیں جب ادھوری رہ جاتی ہیں تو کچھ نہ کچھ مایوسی کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ لیکن یہ مایوسی جلد ہی خود کلامی میں ڈھل کر اپنا اثر کھو دیتی ہے۔

زندگی کی چاشنی کو کچھ تو بیعانہ ملے		پھول سا بوسا ملے لطفِ تجرد کے لیے(۱۹)

پھر بھی دشوار ہے ''کم عمر'' کوئی یار ملے		عشق مرتا ہے، نہ مرنے کی توقع ہے خیالؔ(۲۰)

میں نے دیکھے ہی نہیں ناز اُٹھانے والے		مجھ سے دنیا نے کبھی پیار کا سودا نہ کیا(۲۱)

وہ حسن کی رعنائیوں کے ساتھ ساتھ حسن کی دل سوزیوں سے بخوبی آشنا ہیں۔ حسن جہاں تسکین قلب کا باعث ہوتا ہے وہیں اذیتِ قلب کا سبب بھی ٹھہرتا ہے۔ حسن کے جمالیاتی رنگوں میں ہجر و فراق کی کیفیات اپنا خاص مقام رکھتی ہیں۔ بسااوقات محبوب کے ملنے کی خوشی اور نہ ملنے کا غم اس قدر گڈ مڈ ہو جاتے ہیں کہ ان کیفیات میں فرق کرنا خاصا مشکل ہو جاتا ہے۔

دل و دماغ جھلتے جگر جدا جلتا
وہ شوخ مل نہ سکا ورنہ کیا سے کیا جلتا(۲۲)

خیال امروہوی زندگی کی بے ترتیبی کو حسن قرار دیتے ہیں۔ بظاہر جو چیزیں ہمیں بے ترتیب نظر آتی ہیں ان کی اپنی ترتیب ہوتی ہے۔ یعنی اسی بے ترتیبی میں حسن موجود ہے۔ جنگل، پہاڑ، دریا، صحرا میں سب کچھ بے ترتیب نظر آتا ہے۔ لیکن وہ حسن سے خالی نہیں۔

منتشر روئیدگی میں ضم ہیں اجزائے جمال
حسن بے ربطی میں ہے ذوقِ منظم کچھ نہیں(۲۳)

اس فلسفے میں کلی سچائی ہو نہ ہو جزوی صداقت ضرور ہے۔ حسنِ فطرت کہیں اعتدال اور ذوقِ منظم میں ہوتا ہے تو کہیں اجزائے جمال کی بے ترتیبی حسین لگتی ہے۔ خیال امروہوی نے درج بالا شعر میں اسی نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بے ترتیبی کی اپنی ترتیب ہوتی ہے اور اس بے ترتیبی سے بھی حسنِ فطرت جھلکتا ہے۔

ماضی جہاں خوب صورت یادوں کا آئینہ ہوتا ہے وہاں دکھ اور پچھتاوے کا خزینہ بھی ہوتا ہے۔ خیال امروہوی کی شاعری میں عہدِ گزشتہ کی خواہشوں کے ساتھ ساتھ لغزشوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ان کی خواہشوں سے جمال اور لغزشوں سے پچھتاوا چھلکتا ہے۔

نہ پوچھ عہدِ گزشتہ کی خواہشوں کا جمال — کسی پہ بیٹھ گیا دل کسی پہ دم نکلا(۲۴)

اُمتوں کی جوانی بھی کمھلا گئی، شہر ویراں ہوئے، اب کدھر جاؤ گے
جن غزالوں سے کل تک تعلق رہا اُن کا کردار سن لو تو مر جاؤ گے(۲۵)

وہ لغزشیں جو حسن بنی تھیں شباب میں — خمیازے ساتھ لائی ہیں عہدِ خضاب میں(۲۶)

نشاطِ لب جو میسر ہوئی جوانی میں — اب اُس کی عہدِ کہن سال میں سزا دیکھیں(۲۷)

خاموشی جہاں تخلیقی ذہن کو تحرک دیتی ہے وہاں دانائی کی علامت بھی ہے۔ خاموشی وجود کی بجائے سیدھی دل پر اثر انداز ہوتی ہے۔ خاموشی جب انسان سے محوِ گفتگو ہوتی ہے تو کئی الجھی ہوئی گتھیاں سلجھ جاتی ہیں۔ اس سے بڑھ کر کوئی بامعنی گفتگو نہیں کرسکتا۔ اس کی اپنی زبان اور اپنی تفہیم ہوتی ہے۔ اس سب کچھ کے باوجود خاموشی ایک روگ بھی ہے، دکھ بھی ہے، درد بھی ہے۔ خیال امروہوی نے تنہائیوں کے کئی سمندر عبور کیے۔ خاموشیوں کے دشت جھیلے۔ اُن کی مجلسی زندگی دراصل انھی خاموشیوں کے خلاف بغاوت بھی تھی۔ خیال امروہوی جہاں خاموشی کو حسن قرار دیتے ہیں وہیں اسے سوزِ نہفتہ بھی کہتے ہیں۔

اس سے پہلے کہ خاموشی کے انگارے اندر ہی اندر جگر کو بھون ڈالیں وہ دکھ کا اظہار کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نجی محفلوں میں وہ قہقہے لگا کر، تخلیقی اور علمی سطحی پر طبقاتی نظام کے خلاف بغاوت کر کے خاموشی توڑتے رہے۔ البتہ محبوب سے اظہارِ محبت کے لیے اذنِ تکلم نصیب نہ ہوا اور کاروانِ محبت خاموشی سے چلتا رہا۔ جگر احساس کے دہکتے انگاروں پر بھنتا رہا اور سوزِ نہفتہ بڑھتا رہا۔

خموشی حسن بھی ہے اور ہے سوزِ نہفتہ بھی
کہیں ایسا نہ ہو سینے میں بھن جائے جگر اپنا(۲۸)

خیال امروہوی کی شاعری میں حسن اور رشتوں کے زوال کا احساس شدت سے موجود ہے۔ ہر عروج کو زوال ہے۔ کائنات کی ہر چیز ہمہ وقت تغیر پذیر ہے۔ اسی طرح انسانی جسم اور حسن کا باہمی ربط بہت اہمیت کا حامل ہے۔ یہ ربط اس وقت کمزور ہوتا ہے جب جسم ڈھلنے لگتا ہے۔ جسم کا ڈھلنا حسن کا سورج غروب ہونے کے مترادف ہے۔ جوں جوں انسانی اعضا مضمحل ہونے لگتے ہیں توں توں حسن کے چمکتے سورج کی روشنی ماند پڑنے لگتی ہے۔ اسی طرح کوئی رشتہ بھی ابدی نہیں ہوتا۔ حالات کا تغیر و تبدل رشتوں میں بھی ظاہر ہونے لگتا ہے۔

وہ جب ملا تو تغیر عجب تھا چہرے پر — خلوص کم تھا، کسک کم تھی، دل کشی کم تھی(۲۹)

مستقل رنگ نہیں حسن کا اے حسن پرست — چڑھتا دریا ہے، بہت جلد اُتر جاتا ہے(۳۰)

اڑا تو جسم حریری کی بن گیا خوش بُو — وہ رنگِ ناز جو عارض کے سرخ پھول میں تھا(۳۱)

کوئی رشتہ نہیں ایسا جسے حاصل ہو دوام — جس سے بھی پیار بڑھاتے ہیں، بچھڑ جاتا ہے(۳۲)

عشق خود فراموشی کا دوسرا نام ہے۔ عقل و خرد جب وحشت و دیوانگی کا شکار ہوتے ہیں۔ تب دنیا کی ہر چیز سے بیگانگی

ہونے لگتی ہے۔ جستجو کا عمل تو خالصتاً عقل کے مرہونِ منت ہے۔ جب عقل ہی پر وحشت راج کرنے لگے تو جستجو کیسی؟ ایسے میں محبوب کی تلاش چہ معنی؟

تری تلاش تو کیا ہوگی پاے وحشت کو
کہ بے خودی میں ہمیں اپنی جستجو بھی نہیں(۳۳)

خیال امروہوی کے یہاں نسوانی حسن کے جدید رویوں پر طنز کا اظہار بھی ملتا ہے۔ ان کے نزدیک عورت نہ صرف مشرقی انداز سے دور ہوتی جارہی ہے بلکہ مغربی اقدار کو پوری شدومد سے اپنانے کے درپے بھی ہے۔ کلاسیکی غزل میں محبوب کی زلفوں کا ذکر بکثرت ملتا ہے۔ کبھی ناگن، کبھی بچھو، کبھی سیاہ گھٹاؤں سے زلفوں کو تشبیہ دی جاتی رہی ہے۔ اب مسئلہ یہ درپیش ہے کہ زلفیں ہی نہ رہیں تو تشبیہ کس سے دی جائے؟

زلف سے کس کو شباہت دیں کہ وہ تو کٹ گئی
حسن سر سے ٹال آیا یہ اضافی بار بھی(۳۴)

خیال امروہوی کے تصورِ عشق میں ایک احتیاط کا پہلو بھی نظر آتا ہے۔ محبوب کا حسن ان کے نظریات کے راستے میں کبھی رکاوٹ نہیں بنتا "اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا" کے مصداق محبوب کے حسن کی جلوہ فرمائیاں ان کو اپنے مقصد سے پیچھے نہیں ہٹا سکتیں۔

مرے شعور کو اس کا جمال کیا ڈستا
وہ نازنیں ہے مگر اتنا نازنیں بھی نہیں(۳۵)

معلوم ہوا کہ وہ اپنے عشق کو کسی قیمت پر نظریے کے راستے کی رکاوٹ نہیں بننے دیتے بلکہ ایسے موڑ پر وہ عشق کو رد کر دینے کی ٹھان لیتے ہیں اور اسے شغل ناداریٔ عرفاں قرار دیتے ہیں۔ شغلِ ناداریٔ عرفاں میں شدید طنز کا رویہ بھی موجود ہے۔ وہ اجنبی محبوب کے عشق میں وقت اور لفظ دونوں ضائع نہیں کرنا چاہتے۔

عشق لاچار قرینہ ہے طلب گاروں کا — شوقِ اخراج ضرورت ہے پرستاروں کا
خلوتِ غیب کے محبوب پہ رونا دھونا — شغلِ ناداریِ عرفان ہے بے کاروں کا(۳۶)

میں اس کے عشق میں الفاظ کیوں گنوا بیٹھوں — کہ جس سے میرا تعارف نہ آشنائی ہے(۳۷)

خیال امروہوی کی شاعری کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ان کی قلبی وارداتوں کی گواہی ان کے اشعار سے مل جاتی ہے۔ اس ضمن میں سید محبوب علی زیدی نے لکھا ہے:

"خیال میر اور غالب کی طرح من چلے بھی واقع ہوئے ہیں۔ خیال کے متعلق خیال گزرتا ہے کہ وہ بھی غالب کی طرح کسی ڈومنی پر نہیں تو کسی عشوہ طراز مہ جبیں پر ضرور فریفتہ ہوئے ہیں۔ اس ضمن میں داخلی شہادتیں کافی دستیاب ہیں۔ چونکہ داخلی شہادت خارجی شہادت سے زیادہ معتبر ہے لہٰذا ہمارا خیال یقین میں بدل گیا ہے۔"(۳۸)

ڈاکٹر خیال امروہوی کا تصورِ عشق میر کی طرح افلاطونی نہیں بلکہ ایک حد تک ہوس گزیدہ بھی ہے۔ وہ میر کی نسبت داغ دہلوی کی روایت سے زیادہ جڑے ہوئے ہیں۔ ہوس ناکی کی کیفیت داغ اور خیال کی شاعری میں قدرے مشترک کے طور پر سامنے آتی ہے۔ خیال امروہوی کی شاعری میں بھی وہی داغ کا سا کھلا کھلا انداز، وہی طوائف کا تصور فرق صرف اتنا ہے کہ داغ دہلوی طوائف سے عشق کر بیٹھے لیکن خیال امروہوی نے طوائف سے عشق نہیں کیا۔

اسی عشق کے ناتے داغ دہلوی معاملہ بندی اور محبوب سے چھیڑ چھاڑ ایسے موضوعات کی طرف پلٹ گئے جب کہ خیال امروہوی نے طوائف سے عشق نہ ہونے کے ناتے مذکورہ موضوعات سے خود کو دور رکھا۔ اکثر مقامات پر داغ دہلوی کی معاملہ بندی اور کھلا کھلا انداز ان کی شاعری کو ہوس ناکی کی حدوں میں داخل کر دیتا ہے۔ جیسے:

لے لیے ہم نے لپٹ کے بوسے
وہ تو کہتے رہے ہر بار یہ کیا

داغ کے برعکس ہوس ناکی کے معاملے میں خیال امروہوی دو مخالف انتہاؤں پر نظر آتے ہیں۔ کہیں وہ مشرقیت کے زیرِ اثر سرے سے اس پہلو سے گریز کا رویہ کا اختیار کرتے ہیں۔ جیسے:

جسے ہر آن نئے ذائقے کی خواہش ہو
ہم اُس سے عرضِ عطاے وصال کیا کرتے(۳۹)

کہیں اس کے برعکس عمل کرتے نظر آتے ہیں جہاں گریز کا رویہ اختیار نہیں کرتے وہاں ان کی ہوس ناکی جنسی لذتیت کے قریب قریب پہنچ جاتی ہے۔ وہ نہ صرف "بازار نگاراں" کو دامِ لمس اور زر کے پنجے میں جکڑ لینے کو زیرِ بحث لاتے ہیں بلکہ مجوبی کو رد کرتے ہوئے "اصل جمال" سارے بند کھل جانے میں دیکھنے لگتے ہیں۔ جیسے:

جو دامِ لمس میں آئے نہ زر کے پنجے میں   ہم ایسے حسنِ فراری کے منتظر کب ہیں(۴۰)

کچھ تو مجوبی کو کہتے ہیں کہ ہے اصل جمال   سچ تو یہ ہے لطف سارے بند کھل جانے میں ہیں(۴۱)

خیال امروہوی کی شاعری میں جنسی لذتیت پسندی کا پہلو ترقی پسند تحریک سے وابستگی کا شاخسانہ بھی ہو سکتا ہے۔

ویسے تو فحش نگاری کا الزام منٹو پر بھی لگایا گیا تھا لیکن منٹو کا نقطۂ نظر ذرا مختلف ہے۔ ترقی پسندوں کے یہاں جنسی لذتیت کا پہلو ایک منفی جہت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ وقار احمد رضوی لکھتے ہیں:

> "ترقی پسند تحریک کی ایک جہت منفی تھی جس نے لذتیت اور فحش نگاری کی روایت کو آگے بڑھایا۔ اس روایت کے محرکات میں گوشت پوست کے جسم سے قربت نیز معاشرے میں جسم کی تشہیر شامل تھی۔"(۴۲)

جنسی لذتیت کا تو یہ عالم ہے کہ ان کے دل میں داشتاؤں کے شوق میں حرم سرا رکھنے کی خواہش بھی امڈ نے لگتی ہے۔

سنی ہیں اتنی حکایات داشتاؤں کی
رہا ہے شوق کہ ہم بھی حرم سرا رکھتے(۴۳)

مزید برآں ڈاکٹر خیال امروہوی کی جمال پسندی یا جمالیاتی طرزِ احساس، تصوراتِ حسن وعشق کی متضاد اور مختلف کیفیات میں مضمر ہے۔ ایک طرف وہ پرستشِ حسن کو اپنا شیوہ قرار دیتے ہیں۔ جیسے:

پرستش حسن کی شیوہ ہے میرا
مثالِ آئینہ حیراں نہیں ہوں(۴۴)

اور دوسری طرف نشاطِ عارض ولب کی لذتوں سے نکل کر کوئی عملی یادگار کام کرنے کے خواہاں نظر آتے ہیں۔ یہاں وہ غالبؔ کے پیروکار لگتے ہیں"خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار" کے مصداق مثال دیکھیے:

نشاطِ عارض و لب سے نہ مل سکی فرصت
جو یادگار ہوں ارمان ایسے کب نکلے(۴۵)

ایسے بیشتر مقامات پر حسن پرست دیوانہ ہوشیار باش کی کیفیت سے گزرتا نظر آتا ہے۔ ان کا محبوب اردو غزل کے عام رویے کے برعکس کوئی تصوراتی مخلوق نہیں بلکہ گوشت پوست سے بنا جیتا جاگتا حسن کا پیکر ہے۔ یہ حسین پیکر انھیں کوہ قاف کی پریوں کی بجائے شہر کی پریوں میں نظر آتا ہے۔

پریاں تو آچکی ہیں سبھی شہر کی طرف
تو ڈھونڈنے چلا ہے اُنھیں کوہ قاف میں(۴۶)

کوہ قاب کی پریاں، نشاطِ عارض ولب، چاندی کی نہر، نمِ سحر، طلسم ہوش ربا، صندلیں اندام، خوشبوئے یار، خواہشوں کا جمال، دامِ لمس، حسن فراری، عرضِ عطائے وصال ایسی تراکیب ومرکبات کا استعمال خیال امروہوی کی شاعری کے جمالیاتی طرزِ احساس کو متحرک کرتا ہے۔ یہ جمالیاتی احساس دل میں عشق ومحبت کی چنگاری کے بغیر ممکن ہی نہیں۔"اگر

خرمن میں بجلی یعنی دل میں عشق و محبت کی چنگاری نہ ہو تو وہ مردہ ہے۔"(۴۷)۔ خیال امروہوی تو سینے میں دھڑکنے والا زندہ دل رکھتے تھے۔ گوان کا دل مزدور اور محنت کش طبقے کے لیے زیادہ دھڑکتا رہا۔لیکن اس دھڑکن، اس جذبے اور اس حساسیت کے پیچھے ان کے دل میں موجود عشق و محبت کی آگ تھی جس کی تپش اور دھیمی آنچ بیشتر ناقدین اور محققین محسوس کر سکے نہ دیکھ سکے۔

اگرچہ خیال امروہوی کی شاعری میں جمالیاتی طرزِ احساس پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے لیکن یہ ان کی شاعری کا مجموعی رنگ نہیں۔ ان کی شاعری میں فکر و فلسفہ بھی ہے، جنون و خرد کی جلوہ گری بھی۔ وہ واعظ یا ناصح پر طنز بھی کرتے ہیں اور جاگیردانہ، سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف بغاوت بھی۔ اس میں عرفانِ ذات بھی موجود ہے اور عرفانِ کائنات بھی۔ روایت کی پاسداری بھی ہے اور روایت سے گریز بھی۔عظمت انساں کے ترانے بھی ملتے ہیں اور ابن الوقتی کے تذکرے بھی۔ الغرض ان کی شاعری جہاں اشتراکی افکار سے مالا مال ہے وہیں عشق و محبت کے مختلف ذائقے بھی اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔جنھیں ہمیشہ نظرانداز کیا گیا ہے۔اس لیے انھیں سامنے لانا ضروری تھا۔

حواشی:

۱۔ خیال امروہوی، کلیاتِ خیال امروہوی، مرتب: جسارت خیالی، (کراچی: رنگِ ادب پبلی کیشنز، اپریل ۲۰۱۸ء)، ص ۶۳۔
۲۔ ایضاً، ص ۷۵۔
۳۔ ایضاً، ص ۱۲۱۔
۴۔ ایضاً، ص ۹۴۲۔
۵۔ ایضاً، ص ۴۳۳۔
۶۔ ایضاً، ص ۶۳۲۔
۷۔ ایضاً، ص ۵۴۔
۸۔ ایضاً، ص ۵۹۹۔
۹۔ ایضاً، ص ۹۰۵۔
۱۰۔ ایضاً، ص ۴۴۔
۱۱۔ ایضاً، ص ۵۶۔
۱۲۔ ایضاً، ص ۱۳۸۔
۱۳۔ ایضاً، ص ۴۷۔
۱۴۔ ایضاً، ص ۸۹۳۔

۱۵۔ ایضاً،ص ۶۲۰۔
۱۶۔ ایضاً،ص ۹۸۳۔
۱۷۔ ایضاً،ص۱۰۳۱۔
۱۸۔ ریاض راہی،ڈاکٹر خیال امروہوی : شخصیت اور شاعری،(فیصل آباد: مثال پبلی کیشنز،۲۰۱۷ء)،ص ۵۳
۱۹۔ خیال امروہوی، کلیاتِ خیال امروہوی،ص۱۸۹۔
۲۰۔ ایضاً،ص ۶۴۴۔
۲۱۔ ایضاً،ص۸۵۸۔
۲۲۔ ایضاً،ص۱۰۸۔
۲۳۔ ایضاً،ص۶۲۶۔
۲۴۔ ایضاً،ص ۳۷۔
۲۵۔ ایضاً،ص۱۰۱۹۔
۲۶۔ ایضاً،ص ۹۸۳۔
۲۷۔ ایضاً،ص ۱۰۶۴۔
۲۸۔ ایضاً،ص۲۱۷۔
۲۹۔ ایضاً،ص۱۰۲۷۔
۳۰۔ ایضاً،ص ۴۷۔
۳۱۔ ایضاً،ص ۳۷۲۔
۳۲۔ ایضاً،ص۸۹۵۔
۳۳۔ ایضاً،ص۲۳۹۔
۳۴۔ ایضاً،ص۳۲۷۔
۳۵۔ ایضاً،ص۴۳۸۔
۳۶۔ ایضاً،ص۶۱۰۔
۳۷۔ ایضاً،ص۵۹۶۔
۳۸۔ محبوب علی زیدی،ڈاکٹر خیال امروہوی،مشمولہ سہ ماہی الزبیر،اردو اکیڈمی، بہاول پور،۱۹۹۰ء،ص ۳۶۔
۳۹۔ خیال امروہوی، کلیاتِ خیال امروہوی،ص۶۲۸۔
۴۰۔ ایضاً،ص۴۴۹۔
۴۱۔ ایضاً،ص۲۶۷۔

۴۲۔ وقار احمد رضوی، تاریخِ جدید اردو غزل، (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۸ء)، ص ۸۸۰۔

۴۳۔ خیال امروہوی، کلیاتِ خیال امروہوی، ص ۶۳۶۔

۴۴۔ ایضاً، ص ۵۳۔

۴۵۔ ایضاً، ص ۱۰۲۱۔

۴۶۔ ایضاً، ص ۴۴۔

۴۷۔ یوسف حسین خان، غالب اور اقبال کی متحرک جمالیات، (لاہور: نگارشات، ۱۹۸۶ء)، ص ۴۸۔

مآخذ

۱۔ خیال امروہوی، کلیاتِ خیال امروہوی، مرتب: جسارت خیالی، کراچی: رنگِ ادب پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء

۲۔ ریاض راہی، ڈاکٹر خیال امروہوی: شخصیت اور شاعری، فیصل آباد: مثال پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء

۳۔ وقار احمد رضوی، تاریخ جدید اردو غزل، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۸ء

۴۔ یوسف حسین خان، غالب اور اقبال کی متحرک جمالیات، لاہور: نگارشات بیگم روڈ، ۱۹۸۶ء

رسائل

۱۔ سہ ماہی الزبیر، اردو اکیڈمی، بہاول پور، ۱۹۹۰ء

References:

1. Kheyal Amrohi, *Kulliyat-e-Kheyal Amrohi*, Ed. Jasarat Kheyali, (Karachi: Rang-e-Adab Publication, 2018), p. 63
2. Ibid, p.75
3. Ibid, p.121
4. Ibid, p.942
5. Ibid, p.433
6. Ibid, p.622
7. Ibid, p.54
8. Ibid, p.599
9. Ibid, p.905
10. Ibid, p.44
11. Ibid, p.56
12. Ibid, p.138

13. Ibid, p.73
14. Ibid, p.893
15. Ibid, p.620
16. Ibid, p.983
17. Ibid, p.1031
18. Riaz Rahi, *Dr. Kheyal Amrohi: Shaksiat aur Shairi*, (Faisalabad: Misal Publication, 2017), p.53
19. Kheyal Amrohi, *Kulliyat-e-Kheyal Amrohi*, p.189
20. Ibid, p.644
21. Ibid, p.858
22. Ibid, p.108
23. Ibid, p.626
24. Ibid, p.73
25. Ibid, p.1019
26. Ibid, p.983
27. Ibid, p.1064
28. Ibid, p.218
29. Ibid, p.1027
30. Ibid, p.74
31. Ibid, p.372
32. Ibid, p.895
33. Ibid, p.239
34. Ibid, p.327
35. Ibid, p.438
36. Ibid, p.610
37. Ibid, p.496
38. Mehboob Ali Zaidi, *Dr. Khyeal Amroohi* in Quarterly *Al-Zubair*, Urdu Academy, Bahawalpur, 1990, p.36
39. Kheyal Amrohi, *Kulliyat-e-Kheyal Amrohi*, p.628
40. Ibid, p.449
41. Ibid, p.667
42. Waqar Ahmad Rizvi, *Tareekh-e-Jadeed Urdu Ghazal*, (Islamabad: National Book Foundation, 1988), p.880
43. Kheyal Amrohi, *Kulliyat-e-Kheyal Amrohi*, p.636
44. Ibid, p.53
45. Ibid, p.1021
46. Ibid, p.44
47. Yousif Hussain Khan, *Ghalib aur Iqbal Ki Mutahark Jamaliat*, (Lahore: Nigarishat, 1986), p.48

Bibliography:

1. Amrovi, Kheyal, *Kulyat-e-Kheyal Amrohi*, Ed. Muratab Jasarat Kheyali, Karachi: Rang-e-Adab Publication, 2018
2. Khan, Yousif Hussain, *Ghalib aur Iqbal Ki Mutahark Jamaliat*, Lahore:

Nigarshat Begum Road, 1986
3. Rahi, Riaz, *Dr. Kheyal Amrohi: Shaksiat aur Shairi*, Faisalabad: Misal Publication, 2017
4. Rizvi, Waqar Ahmad, *Tareekh-e-Jadeed Urdu Ghazal*, Islamabad: National Book Foundation, 1988

Magazine:

1. Quarterly *Al-Zubair*, Urdu Academy, Bahawalpur, 1990

۞۞